

اختیار صرف اسی قادر مطلق اور خالق ازل کا ہے جس نے یہ جان تخلیق فرمائی ہے، وہ جب چاہے اپنی اس امانت کو واپس لے سکتا ہے، کسی کو بحال انکار نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ”اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ: ۱۹۵)۔“

(۲) ”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے (النساء: ۲۹)۔“

خودکشی گناہ کبیرہ ہے:

اسلام میں خودکشی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب جہنم کا سزاوار ہوگا، دنیا میں تو وہ ایک مرتبہ اپنی جان تلف کرتا ہے، لیکن اس کی سزا کے طور پر اسے طویل عرصے تک اور لاتعداد بار اس اذیت سے گزرنا پڑے گا، غور فرمائیے اس کا انجام کتنا بیت ناک اور ہولناک ہے، صحیح مسلم کتاب الایمان میں حدیث ہے: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی اپنی ہتھیار سے خودکشی کرے تو جہنم میں وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس ہتھیار سے ہمیشہ جہنم میں اپنے آپ کو کٹتی کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا، تو وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا، اور جو شخص کسی پہاڑ (یا بلند بالا تجارت دینار) سے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ (اس عمل کی سزا کے طور پر) ہمیشہ جہنم (کے گہرے گڑھوں) میں گرتا رہے گا۔“

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ طفیل بن عمرو ذی اپنی قوم کے ایک شخص کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے، ان کا وہ ساتھی مدینہ طیبہ میں بیمار ہو گیا، جب بیماری کی تکلیف اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کے نتیجے میں اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خوش بہ لگا کہ اسی سبب سے اس کا انتقال ہو گیا، حضرت طفیل نے اسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے، حضرت طفیل نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے بخش دیا، حضرت طفیل نے پوچھا: یہ ہاتھ تم نے کیوں لپیٹے ہوئے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ”مجھے (ذات باری تعالیٰ کی جانب سے) یہ کہا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود کاٹا ہے، اسے ہم درست نہیں کریں گے، حضرت طفیل نے جب یہ خواب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیان کیا تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! (میرے) اس صحابی کی ہاتھوں کی خطا کو بھی معاف فرما۔“ غور فرمائیے اودھ شخص تو صحابی رسول تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے ہجرت کے شرف سے نوازا تھا، بلاشبہ اس نے موت سے پہلے اپنی اس خطا پر صدق دل سے توبہ بھی کر لی ہوگی، اور حضور انور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے توبہ قبول بھی ہوگی، لیکن اس کے باوجود اس گناہ کبیرہ و قبیحہ کی علامت کے طور پر اس کے ہاتھ لپیٹے

خودکشی کا افسوسناک رجحان

مسئلہ کی شرعی حیثیت، سماجی و معاشی محرکات و عوامل، گزشتہ ارشادات

پروفیسر مفتی فیض الرحمن

چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومت پاکستان)

مغربی ممالک اور دنیا کے دیگر ممالک میں خودکشی کا رجحان (Phenomenon) ہمیشہ ایک خاص تناسب کے ساتھ جاری رہا ہے بلکہ چند سال قبل جاپان میں اجتماعی خودکشی کے واقعات بھی رونما ہو چکے ہیں، لیکن الحمد للہ عالم اسلام کا دکانہ اور الوقوع واقعات کے علاوہ اس لعنت سے ہمیشہ محفوظ رہا ہے اور اس رجحان نے کبھی بھی ایک رویے کی شکل اختیار نہیں کی، لیکن بد قسمتی سے گزشتہ چند ماہ سے تو اثر و تسلسل کے ساتھ خودکشی کے سانحات رونما ہوئے ہیں، اور اس افسوسناک رجحان نے معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو بھیجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اور اہل فکر و نظر نے اس مسئلے کی سنگینی پر توجہ دی ہے۔ سطور ذیل میں ہم اس افسوسناک رجحان کے شرعی پہلو، سماجی و معاشی محرکات و عوامل اور فنی اثرات پر قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں اور باب مل و عقداور اہل نظری توجہ کیلئے چند اہم گزشتہ ارشادات پیش کریں گے۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے:

اسلام کی رو سے انسان اپنی جان کا مالک و مقرر نہیں ہے، انسان کی جان اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اسکی ولایت و امانت ہے، انسان کو صرف اس جسم و جان کے تصرف و استعمال کا اختیار دیا ہے اور اس کیلئے شریعت نے حدود و قیود بھی مقرر فرمادی ہیں، اسی تصرف اختیار پر جزا و سزا کا مدار ہے۔ انسان چونکہ اپنے جسم و جان کا مالک نہیں ہے، اس لئے اسے اپنی جان یا کسی عضو کو تلف کرنے، کاٹ بیچنے یا فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، یہ تمام افعال و تصرفات ممنوع اور حرام ہیں، جان لینے اور تلف کرنے کا

ہوئے تھے، یعنی اپنی اصلی حالت پر صحیح سلامت نہیں تھے، اس لئے انہوں نے اس پاپ کا پورا پورا افسوس اٹھایا، اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ شفاعت سے ان کی کلی مغفرت فرمادی، لیکن صحابیت، ہجرت اور دیدار مصطفیٰ ﷺ کا شرف رکھنے والا آج کے دور میں تو کوئی نہیں ہو سکتا۔

زیست نعمت ربانی اور موت اختیار خالق:

پس اسلام کی رو سے زیست نعمت باری تعالیٰ اور موت اختیار خالق ہے، یہ دونوں امور بندے کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کیلئے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کا عمل سب سے بہتر ہے (الملک: ۲۰)"۔ جو حیات کو پیدا کرنے والا ہے، اسے سلب کرنے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، اس لئے حدیث پاک میں موت کی تمنا کرنے اور موت کی دعاء کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کون جانتا ہے کہ آنے والے لمحات میں کسی کیلئے خزانہ قدرت میں کون سی خیر مستور ہے، چشم فلک نے ہزار ہا لوگوں کے حالات کو چیلنے ہوئے، متحدہ کونراخی رزق سے، لذیت کو راحت سے، مرض کو صحت سے، ضعف کو قوت سے اور محکمی کو اختیار و اقتدار سے بدلنے دیکھا ہے، کوئی کیونکر فرض کر لیتا ہے کہ آنے والے نکل کے دامن میں اس کے لئے امید کی کوئی کرن، چہرہ کا کوئی ذرہ، راحت کا کوئی لمحہ اور کامیابی کا مرانی کی کوئی نوید جانفزائیں ہے، غیب کا علم تو ذات باری تعالیٰ کا ہے، اس لئے کوئی شخص زندگی کی گفتگو سے اگر بہت زیادہ اکتا گیا ہے، اسے اپنی کم ہمتی، کوتاہ بینی اور بے بضاعتی کی وجہ سے اگر موت ہی کی دامن میں عاقبت نظر آتی ہے اور وہ ناامید کی اس انتہا کو پہنچ گیا ہے، جب بھی اسے علی الاطلاق موت کی دعاء کی اجازت نہیں دی گئی، حدیث پاک میں ہے:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو کوئی دکھ اور مصیبت پہنچی ہے تو اس کے باعث موت کی تمنا بالکل نہ کرے، اور اگر وہ لازماً کرتا ہی چاہتا ہے تو (مستقبل کا حال اور علم اللہ کے سپرد کر کے) اسے چاہئے کہ یوں کہے، اے اللہ! (حیرے علم کے مطابق) جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے تو مجھے (اس وقت تک) زندہ رکھ، اور جب (حیرے علم کے مطابق) میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے (ایمان کی) موت عطا فرما، (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ)۔"

قرآن و حدیث کے ان صریح ارشادات کی روشنی میں کوئی صاحب ایمان خودکشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، یہ تو وہ کرے جسے یقین راسخ ہو کہ موت واقع ہونے کے ساتھ ہی فوز و فلاح اور راحت و سکون کی کوئی اعلیٰ منزل اس کی منتظر ہے، لیکن نصوص قطعیہ سے جب یہ بات ثابت ہے کہ نارنجہم کے شعلے اس کے منتظر ہیں، تو اسے اس فعل قبیح کا سوچنا بھی نہیں چاہئے۔

© rasailojaraid.com خود کشی کے محرکات و عوامل

دینی شعور و آگہی کا فقدان:

ہمارے معاشرے میں حال ہی میں رونما ہونے والے خودکشی کے رجحان اور اس لہر کا سب سے بڑا سبب دینی تعلیمات سے دوری ہے اور دینی شعور و آگہی کا فقدان ہے، اور حکومت کے زیر کنٹرول سب سے موثر میڈیا، الیکٹرانک میڈیا ہے، وہ فحاشی، عریانی، تشدد، درشت اور شر کے فروغ میں تو ہمہ وقت مصروف ہے، صحیح دینی شعور کی آگہی پیدا کرنا اس کی ترجیحات میں نہیں ہے، اور ہمارے پرنٹ میڈیا کا رول بھی زیادہ قابل رشک نہیں ہے، لہذا سب سے اولین ترجیح دینی شعور و آگہی کے فروغ کو دینی چاہئے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں خودکشی کا مرتکب شخص اپنی عاقبت کو تو برا دیکھتا ہی ہے، اپنی ذات سے وابستہ کئی دوسرے افراد کی زندگیوں کو بھی ناقابل برداشت لذت اور لائفل سٹائل مسائل سے دوچار کر دیتا ہے۔

معاشی مسئلہ:

خودکشی کے بہت سے واقعات کے پس پشت بے روزگاری، تنگ دستی، فاقہ کشی اور معاشی محرومیوں کے عوامل کا فرماہوتے ہیں، اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری وقت کے اہل اقتدار پر ہوتی ہے، اس کے بعد معاشرے کے ان طبقات پر جو چند سو یا چند ہزار افراد یا خاندانوں پر مشتمل ہیں لیکن ملک کے اسی فیصد وسائل پر قابض ہیں، اور بد قسمتی سے ہمارے اہل اقتدار بھی اس طبقے کا حصہ بلکہ سرخیل ہیں۔ اسلام ارتکاز دولت کے خلاف ہے کہ چند لوگ سارے وسائل پر قابض ہوں اور لوگوں کی اکثریت "قوت لا یموت" سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ایسا نہ ہو کہ (ساری دولت) مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتی رہے (الحشر: ۱۰)"۔

اسلام دولت اور وسائل رزق کی تقسیم کا حکم دیتا ہے تاکہ ان کا فیض ساری انسانیت کے لئے عام ہو، اسلام کا اگر ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا مالک وہی نہیں بلکہ صرف متصرف ہے، مال و دولت کے بارے میں بھی اس کا نظریہ یہی ہے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہے، انسانوں کی طرف ملکیت کی نسبت مجازاً ہے، اور دولت کے کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے کے لئے حلال و حرام اور فطرت و استحسان کے بڑے جامع اصول اسلام نے عطا کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور (آخر) کیا سبب ہے کہ تم (اپنی دولت کو) راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ (درحقیقت) اللہ ہی کی ملکیت ہے، (الحج: ۱۰)"۔ اور اسلام یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ غرباء کو اس نظریے سے جذبہ تکبر و تفوق کے ساتھ نہ دو کہ تم ان پر احسان کر رہے ہو، بلکہ یہ سمجھ کر دو کہ تمہارے مال میں ان کا حق ہے جو تم انہیں لوٹا کر اپنے دینی فریضے سے عہدہ براہور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور ان (اہل ثروت) کے مالوں میں مسائل اور محروم کا حق ہے، (الذاریات: ۱۹)"۔ اور دوسرے مقام

فرمایا: "اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پس جن کو فضیلت دی گئی ہے، وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں (اور زیر دستوں) کو لوٹا دیا کریں، بلکہ یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں۔" (تخل: ۱۷)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، تو اسے ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقراء کی طرف لوٹا دیا جائے،" (صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ)۔

جب نظام مملکت و حکومت میں تقسیم دولت کا منصفانہ اور عادلانہ نظام نہیں ہوگا، تمام تر وسائل دولت چند ہاتھوں میں مرکّز ہو جائیں گے، تو معاشی ناہمواریاں اور محرومیاں جنم لیں گے، اور اسی طرح کے سانحات رونما ہوتے رہیں گے اور خدا خواستہ یہ حالات طبقاتی تصادم پر بھی منتج ہو سکتے ہیں، مغربی ممالک میں بھی اگر کثرت دولت اور سرمایہ دارانہ نظام اپنے عروج پر ہے لیکن وہاں بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی پر شہری کے لئے ممکن یا لازمی بنادی گئی ہے اور تعلیم، معاش اور ترقی کے ہر میدان کو مسابقت (Competition) کیلئے کھلا رکھا گیا ہے، میرٹ اور اہلیت پر افریبا پروری، رشوت کی گرم بازار اور لوٹ کھسوٹ کو ترجیح نہیں دی گئی، یہ خرابیاں ان کے ہاں بھی بلاشبہ ہیں لیکن قابل برداشت حد تک۔

سماجی مسئلہ:

ان سانحات کا ایک سبب ہمارے متضاد رویوں پر مبنی سماجی حالات ہیں، گھریلو ناچاقیاں اور شادی کے مسائل پر والدین اور اولاد کی ترجیحات کا ٹکراؤ ہے، اور ان معاملات میں ایثار، تحمل (Tolerance)، ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے مطابقت پیدا کرنے (Adjustability) سے کئی انکار اس کا سبب ہے، ایک طرف ہمارے ہاں کافی حد تک آزاد روی رائج ہو گئی ہے، بیشتر تعلیمی اداروں اور بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں میں نظام تعلیم قحوط ہے، رہی سہی کسر ٹی۔وی نے پوری کر دی ہے، بلکہ اس نے تو غضب ہی ڈھادیا ہے اور اب ہماری دینی آبادی کا غالب حصہ اس کی زد میں ہے، یہ وہ فحاشی ہے جو جبراً مسلط کر دی گئی ہے، لیکن ہے کچھ لوگ اپنے دل کو یوں تسلی دیتے ہوں کہ ہماری بچیاں خوب اوڑھ کر جاتی ہیں، بلاشبہ اخلاقی تنزل کے اس دور میں یہ بہت بڑا جہاد ہے اور بڑے اجر کی بات ہے، لیکن جہاں انہیں جاتا ہے، وہاں تو ماحول بے حجاب بلکہ بے قابو ہے، جبکہ ماحول میں ایمان و عرفان اور نورانیت کی بہاریں اپنی اوج کمال پر تھیں، اس عہد مبارک میں احتیاط کا عالم کیا تھا، ملاحظہ کیجئے: "حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر خدمت ہوئے، حضور نے فرمایا: "تم دونوں پر دو کرو"، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟ (جامع

ترمذی: کتاب الادب)۔

لہذا میری والدین سے درمندانہ گزارش ہے کہ وہ اولاد تو اپنی اولاد کی دینی و اخلاقی تربیت پر بچپن سے توجہ دیں، انہیں حالات اور ماحول کے رحم و کرم پر نہ چھوڑیں، شاہوی کے مسئلے میں فحش کی رو سے اولاد کی رضامندی ضروری ہے، اور والد سرپرست (ولی) کے حقوق کا بھی کافی حد تک تحفظ کیا گیا ہے، دونوں میں کافی حد تک توازن ہے، اگر رشتے کے سلسلے میں بیٹے یا بیٹی کا انتخاب اپنا ہے اور وہ درست ہے تو اسے قبول کیجئے، نامناسب ہے تو دلائل سے اپنی اولاد کو قائل کیجئے، اگر وہ تسلیم کر لیں تو آپ کی خوش نصیبی اور ان کی سعادت مندی ہے، اور نہ مانیں اور کسی صورت نہ مانیں تو اپنی مطابقت کی صورت پیدا کیجئے، عالم شباب میں بلاشبہ انسان جذبات کی زد میں بہہ جاتا ہے، اس کی غلطی کا امکان اسی فیصد تک ہو سکتا ہے، تو والدین بھی تو خطائے معصوم نہیں ہیں، میں فیصد غلطی کا امکان ان کے فیصلے، رائے اور اجتہاد میں بھی ہو سکتا ہے، اور اس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، لہذا جہاں عقل جواب دے جائے، وہاں معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے، اور اس کی تقدیر پر راضی و شاکر ہو کر مفاہمت و مطابقت اور ایثار کا ماحول پیدا کرنا چاہئے، گزشتہ سال بھر میں کتنے ایسے واقعات اخبارات کی زینت بنے، والدین، خاندان اور خود بچپن کی رسوائی ہوئی، قتل و تشدد تک نوبت آچکی، لیکن ناگامی و نامرادی اور رسوائی کے سوا کیا ہاتھ آیا۔

خودکشی کے ہر واقعے کا انفرادی تجزیہ ضروری ہے:

یہ ضروری نہیں کہ خودکشی کے ہر واقعے کے پیچھے ایک ہی نوعیت کے عوامل کارفرما ہوں، حقائق تک رسائی کیلئے ہر واقعے کا جدا جدا سائنٹفک تجزیہ ضروری ہے، ہو سکتا ہے بعض واقعات کے پیچھے قتل مد کا سنگین جرم کارفرما ہو اور خودکشی کی عام لہر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمال عیاری سے اسے خودکشی کا رنگ دے دیا گیا ہو، ماضی میں بعض ہتھیار قتل کے واقعات کا ذہانت سے تعاقب کیا گیا تو وہ دانستہ انتقامی قتل کے واقعات لگے، مغربی ممالک میں قارمولائیت کی روش سے ہٹ کر ہمیشہ ہر سامنے یا اہم واقعے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ اکثر کامیابی پر منتج ہوتی ہے۔

خودکشی کی راہ اختیار کرنے والوں سے گزارش:

خودکشی پست ہمتی، بزدلی، قنوطیت (Desparateness)، یاس و حرمان اور بے میلی کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ بحیثیت مجموعی معاشرے کے تنزل، پرمردگی، اشکلال اور احساس شکست کی آئینہ دار ہے، یہ کسی صحت مند معاشرے کی علامت ہرگز نہیں ہے، انسان کی اصل متاع اور اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ایمان و ایمان، عزم و ہمت، جذبہ عمل اور بڑی کی قوتوں سے زبردست قوت مزاحمت ہے۔ شکست خوردہ ذہنیت کے حامل لوگ خودکشی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، کیونکہ ان میں زندگی کے حقائق اور

فرقان کیا ہے؟

سوال: سورہ فرقان کی آیت نمبر ۲۹ میں ہے۔ تقوٰی اختیار کرو تو اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے گا کہ کیا صحیح ہے؟ کیا غلط ہے؟ کیا اس کا تعلق علم، سائنس، ذہن انسانی کے ارتقاء و ایجادات سے نہیں ہے؟ کیا یہ صرف عطیہ ربانی ہے؟ عطیہ انسانی ارتقاء نہیں ہے؟ (فے جیم (کراچی)

میرے محترم! آپ کے سوال کا تعلق، جس آیت سے ہے وہ الفرقان میں نہیں بلکہ الانفال میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔ یا ایہا الذین امنوا ان تتقوا اللہ يجعل لکم فرقان و یکفر منکم سیئاتکم و یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم۔ اسے ایمان والو! اگر تم اللہ کے قوانین پر چلو تو وہ تمہیں صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ اور تمہاری غلطیوں کو تم سے دور فرمائے گا اور (آئندہ کی غلطیوں سے تمہاری) حفاظت فرمائے گا۔ اس آیت میں اللہ کا تقوٰی اختیار کرنے کا صلہ درج ذیل نتائج کی صورت میں بیان ہوا ہے۔

۱۔ فرقان ۲۔ کفارہ سیئات ۳۔ اور آئندہ غلطیوں سے (حفاظت)

آیت میں موجود ”ان“ حرف شرط ہے جیسے اردو میں اگر مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ کا تقوٰی اختیار کیا تو تمہیں ان نعمتوں سے بہرہ ور کیا جائے گا۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے تقوٰی اللہ اختیار نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ ان نعمتوں سے دور کر دیے جاؤ گے۔

میرے محترم! آپ نے چونکہ ”فرقان“ کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس لیے ”جمل فرقان“ کا سبب اصلی (علت) جانے بغیر، آپ فرقان (اور دوسری وحیّات کو) نہیں سمجھ سکتے۔ واضح رہے کہ اس مقام پر ”فرقان“ کسی موجود فی الخارج شے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تقوٰی اللہ کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی شے کو ہی فرقان کہا گیا ہے۔ ”تقوٰی اللہ“ دراصل اللہ کا نازل کردہ وہ قانون ہے، جسے اختیار کرنے کے صلے میں، یہ نتائج آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ نتائج خداوند عالم کے قانون مشیت کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے خدا ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تقوٰی اختیار کرنے

مصائب کا سامنا کرنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں ہوتا۔ زندہ دل، بیدار مغز، اولوالعزم اور قوت ایمانی کے حامل لوگ عالی ہمتی سے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں، مگر پھر اٹھتے ہیں، مگر جھپٹ کر پلٹتے ہیں تو پلٹ کر پھر جھپٹتے ہیں، دکھ سہتے ہیں، دکھ پالتے نہیں، اور آخر کار کامیابی ان کا مقدر ہوتی ہے، جان ہی دینی ہے تو ”جان آفریں“ کے نام پر دیتے، کسی مجاہد کی راہ پر چلتے، یا پھر تمام مصطفین (Depressed) اور مظلومین اور ستم رسیدہ (Oppressed) مل کر ایمانی قوت سے سرشار ہو کر اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے اٹھ کھڑے ہوں، مگر اللہ کا دین اور نظام مصطفیٰ ﷺ اپنی اصل، کامل اور جامع شکل میں نافذ ہو جائے تو پھر اس کے سائے میں سب کیلئے امان ہوگا، عافیت ہوگی، ہر ایک کے دکھ کا درماں اور درد کا دوا ہوگا، دنیا بھی سکون کا گہوارہ ہوگی اور عاقبت بھی فلاح کی ضامن ہوگی۔

سیاسی زعماء سے گزارش:

انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے، یہ خالق ازل کی شان تخلیق کا سب سے بڑا مظہر ہے، اس کے ضیاع و اطلاق اور ہلاکت کو نہ تو اپنی تائید و حمایت کا میزان و معیار بنائیں، نہ اس پر جشن منائیں، نہ اس کی ترغیب دیں اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کریں، بلکہ اس پر کف افسوس ملیں کہ ہم نے آزادی کے باون سال بعد ملک و قوم کو کس مقام پر پہنچا دیا ہے اور اس صورت حال کے ازالے کے لئے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے، وجود انسانی کا آئینہ توڑنا نہیں، جوڑنا عبادت ہے، قدرت تو خود اپنی اس تخلیق اور شاہکار پر ناز کرتی ہے، ارشاد فرمایا: ”اور اس نے تمہاری صورت بنائی اور کیسی حسین صورت بنائی اور (تمہیں) اسی کی جانب لوٹا ہے، (التغابن: ۳)“۔ یہ جان اگر قربان ہو تو اسی کے نام پر جس نے اسے تخلیق کیا، اور اس شان نیاز مندی کے ساتھ کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی قسم

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دل کے بھیج پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ وہ ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دینا ہے آدمی کو نجات!
(اقبال)

کے نام پر نتائج بلکہ فوائد و ثمرات کو بطور جزاء کے خود ہی بیان بھی فرمادیا ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ فرقان کیا ہے؟ تو آئیے اسکی تفصیل جاننے کے لئے ہم قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں۔ المعجم المفہرس للالفاظ القرآن الکریم کے مطابق لفظ ”الفرقان“ چھ مقامات پر آیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی آیت سورہ بقرہ ۵۳ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔ واذ انبنا موسیٰ الکتاب والفرقان لعلکم تہتدون۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی تاکہ (اے قوم موسیٰ) تم کامیاب و کامران ہو سکو۔

آپ نے دیکھا کہ موسیٰ کو کتاب اور فرقان دینے کی بات کی گئی ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آیت میں موجود ”واو“ کو اگر ”تفسیری“ معنی میں لیا جائے تو یہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہوں گے۔ یعنی کتاب کی حقیقت، حق و باطل کے درمیان فرق کر دینے کی ہوگی اسلئے فرقان سے مراد بھی وہی کتاب ہے جو موسیٰ کو دی گئی۔ لیکن ”واو“ کو اگر ”عاطف“ مانا جائے تو پھر یہ دو الگ الگ حقیقتوں کے دو الگ الگ نام ہوں گے۔ یعنی جس طرح کتاب موجود فی الخارج کسی حقیقت کا نام ہے تو فرقان بھی کسی ایسی ہی دوسری حقیقت کا نام ہے۔ جو تغیر (موسیٰ) کی نبوت کی سچائی کا ایک کھلا ہوا نشان جگر ظاہر ہوئی۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں فرقان کے لفظ میں موسیٰ علیہ السلام کے خجرات کا بیان ہے۔

میرے محترم! آپ نے فرق ملاحظہ کیا آپ کے سوال کے جواب میں اوپر بتایا گیا تھا کہ وہاں لفظ فرقان، خارج میں موجود کسی شے کے طور پر نہیں آیا ہے۔ جبکہ یہاں وہ ایک ایسی حقیقت کے طور پر آیا ہے۔ جو خارج میں موجود ہے۔ کیا سمجھ آپ؟

میرا مطلب ہے کہ سورہ انفال کا ”فرقان“ تقویٰ کا نتیجہ ہے، جبکہ سورہ بقرہ کا ”فرقان“ کسی امر کا نتیجہ نہیں بلکہ کتاب یا پھر کتاب ہی کی مانند، خارج میں موجود کسی ”امرواقتہ“ کا صفاتی نام ہے۔

اسی سورہ (بقرہ) میں ذرا آگے چل کر (آیت نمبر ۱۸۵) یہ لفظ یوں استعمال ہوا ہے۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس و بینات من الہدی والفرقان (الیٰ آخر الایہ) اس آیت میں ہدی للناس۔ بینات من الہدی۔ والفرقان کے بارے میں دو تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ایک تفسیر کے مطابق ہدی للناس علم نوحی رو سے قرآن کا ”حال“ ہے۔ یعنی قرآن لوگوں کا ہادی و رہنما ہے اور بینات من الہدی بھی قرآن کا حال ہے۔ یعنی انہیں ہدایت کی کھلی اور روشن نشانیاں ہیں اور الفرقان بھی چونکہ الہدی پر معطوف اور مبنی کے تحت ہے اس لئے یہ بھی قرآن ہی کا حال ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق ہدی للناس، شہر رمضان کی ”خبر“ ہے۔ مطلب یہ کہ ماہ رمضان، لوگوں کے لئے

ہادی و رہنما ہے نیز بنیات من الہدی بھی ماہ رمضان کی خبر ہے یعنی اس ماہ میں ہدایت کی روشن نشانیاں موجود ہیں۔ نیز الفرقان بھی ماہ رمضان کی خبر کا آئینہ دار ہے۔ مطلب یہ کہ انہیں اچھے اور برے کی، خیر و شر کی، نیک و بد اور حق و باطل کی تیز ہو جاتی ہے۔ یوں یہ ماہ مبارک لوگوں کے لئے ایک کسوٹی اور میزان بن جاتا ہے۔

اس وضاحت سے آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہاں فرقان کا لفظ یا تو قرآن کے لئے آیا ہے یا پھر ماہ رمضان کے لئے۔ بہر حال ہر دو معنی میں ”فرقان“ موجود فی الخارج شے کا نام ہے۔

اب فرقان کے سلسلہ بیان کی تیسری آیت ملاحظہ فرمائیے۔

وانزل التوراة والانجیل من قبل ہدی للناس وانزل الفرقان (آل عمران ۳۸)
اور اس نے قبل ازیں توراة وانجیل اتاریں جو، لوگوں کے لئے ہادی و رہنما تھیں اور اس نے فرقان بھی اتارا۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا گیا تھا۔

نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه۔ آل عمران ۳

اس نے آپ پر (اے رسول محترم) خصوصی کتاب اتاری، جو سراسر حق ہے۔ اور جو پہلے (یہود و نصاریٰ) کے ہاتھوں میں ہے اسکی صدق ہے۔

یہاں فرقان کے معنی کو سمجھنے کے لئے پوری آیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ نزل علیک الکتاب۔ ہم نے آپ پر کتاب اتاری۔ پھر اسی مقام پر یہ فرمایا گیا۔ وانزل الفرقان۔ ہم نے فرقان اتارا۔

ظاہر ہے کہ ایک ہی آیت میں کتاب و فرقان اتارنے کی جو بات کی گئی ہے وہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۳ کی طرح ہر دو حال سے خالی نہیں۔ ایک حال کے مطابق فرقان کا لفظ کتاب کے وصف کو نمایاں کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ بائیں معنی یہ قرآن مجید کا صفاتی نام ہوا۔ اور تورات وانجیل کے ذکر کے بعد فرقان کا لفظ لانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تورات وانجیل کے محرف ہونے کو واضح کر دیا جائے کہ اب حق و باطل کے مابین فرق قائم کرنے والی کتاب فقط وہی ہے۔ جو اے رسول! آپ پر اتاری گئی ہے۔

دوسرے حال کے مطابق فرقان کا لفظ، حضور نبی کریم ﷺ کے نشانات نبوت کے طور پر آیا ہے جو آپ کی نبوت و رسالت کی سچائی کو نمبر من کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ظاہر کئے جاتے رہے ہیں۔ بہر حال ان ہر دو معنی کی رو سے ”فرقان“ موجود فی الخارج شے کو کہا گیا ہے۔

اور اب یہاں نازل لفظ اور انزل کے حوالہ سے عرض کروں گا۔ آیت میں نزل لفظ کے دو مفعول بیان ہوئے ہیں۔ مفعول اول آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اور مفعول ثانی، کتاب ہے۔ جبکہ انزل کا مفعول فقط ایک بیان ہوا ہے یعنی فرقان اور اس کا دوسرا مفعول نائب ہے اس لیے مفعول ثانی کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ فرقان کے لفظ سے وہ عقل سلیم یا نور قلب، یا بصیرت ایمانی مراد ہو سکتی ہے، جو آسمانی کتابوں کی روشنی میں بتدریج انسان کو میسر آتی ہے۔ اس معنی کی رو سے ”فرقان“ موجودتی الظارح کسی شے کا نام نہیں ہوگا بلکہ وہ فیض خداوندی ہوگا، جو اجتناب دہی کے نتیجے میں انسان کو خدا کی مشیت کے تحت نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی مدد سے حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شے داخلی ہی ہو سکتی ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں فرقان کا لفظ یا تو قرآن کے لئے آیا ہے یا پھر حضور نبی کریم ﷺ کے نشانات نبوت کے ثبوت کے لئے آیا ہے یا پھر عقل سلیم، نور قلب اور بصیرت ایمانی کے ثبات کے لئے آیا ہے۔

ہمارے سلسلہ بیان کی چوتھی آیت یہ ہے۔

وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان۔۔ (الانفال ۴۶)

اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ خاص پر یوم الفرقان کو اتارا۔

اس آیت میں فرقان کا لفظ یوم کی اضافت کے ساتھ آیا ہے جس کا مطلب ہے فیصلہ کا دن۔ یعنی وہ دن، جس نے حق و باطل کے مابین فیصلہ کر دیا۔ یہ غزوہ بدر کا دن تھا جسے آگے حصہ یوم النقی الجحان بھی کہا گیا ہے۔ یعنی دو گروہوں کے درمیان مٹھ بھیر کا دن۔

اور اب پانچویں آیت دیکھئے۔

ولقد آتینا موسیٰ وهارون الفرقان و ضیاء و ذکر للمتقین۔ (الانبیاء ۳۸)

اس آیت کے مطابق موسیٰ اور ہارون کو جو کچھ دیا گیا تھا۔ اسے فرقان اور ضیاء کا نام دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں فرقان سے مراد موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی ہے، اور ضیاء، ہارون علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی۔ یہ وحی اس لحاظ سے فرقان تھی کہ اس سے حق و باطل میں تیز قائم ہو جاتی تھی۔ اور ضیاء اس لحاظ سے کہ انہیں ہر قسم کی فحشی و اخلاقی، ملی و عملی اور اعتقادی و روحانی غلطیوں کا نور کرنے کا کما حقہ سامان موجود تھا۔ وحی خداوندی کے یہ دونوں نام ان کے اوصاف کے اعتبار سے ہیں۔ اور اس وحی خداوندی کو ذکر المتقین اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اس میں انفس و آفاق کے حقائق کی باریک بینی

وہابی اور تہذیبی موجود تھی۔

اس وضاحت کے بعد یقیناً آپ جان گئے ہوں گے کہ یہاں فرقان کس معنی میں آیا ہے؟ اور اب ہمارے سلسلہ بیان کی آخری آیت ملاحظہ فرمائیے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیكون للعلمین نذیرا۔ (الفرقان ۱)

تمام برکتوں کی حامل اور اپنی حقوق کو ہر قسم کی برکتیں عطا کرنے والی ذات کہ جس نے اپنے بندہ خاص پر فرقان اتارا، جو تمام جہانوں کے لئے باعث انداز ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مقام پر ”فرقان“ سوائے قرآن کے کسی اور معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ یہ وحی (قرآن) خدا کی طرف سے اتاری گئی وہ آخری کسوٹی اور میزان ہے جسکی روشنی میں حق و باطل، خیر و شر، اور صحیح و غلط کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس معنی کی رو سے اسے یہاں ”فرقان“ کے منافی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ لفظ ”فرقان“ پورے قرآن میں خارج میں موجود کسی نہ کسی حقیقت کے اظہار کے مختلف اسانے گرامی کے طور پر آیا ہے۔

کہیں وہ انبیائے کرام پر نازل ہونے والی وحی ہے۔ تو کہیں انبیائے کرام کے تعلق سے ظاہر ہونے والا نشان۔ کہیں وہ ماہ رمضان کا نام ہے تو کہیں یوم بدر کا نام، اور کہیں وہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی آخری اور محفوظ وحی کا جگہ کا نام ہوا مصطفیٰ نام کو یا صحیح معنی میں اسم یا مسمیٰ۔

البتہ سورۃ الانفال آیت ۲۹ میں لفظ فرقان کا جو آیا ہے وہ اس صلاحیت، خوبی اور قوت کے لئے آیا ہے۔ جو وحی خداوندی ن رو سے، ہر اس شخص کو میسر آتی ہے، جو قانون خداوندی کا بیکر بن جاتا ہے۔ اور یہ کمال، تقویٰ کا وہ نتیجہ ہے جو خارج میں موجود کسی حقیقت کا نام نہیں بلکہ اس عقل سلیم اور نور قلب کا نام ہے، جو تقویٰ کی رو سے از روئے مشیت خداوندی، انسان کو میسر آ جاتا ہے۔ جسکی روشنی میں وہ تیز کرنے لگتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ اس صحیح اور غلط کی پہچان کے دائرہ فکر و عمل میں وہ تمام علوم اور فنون بھی آ جاتے ہیں جسکی بنیاد پر وہ تفسیر کائنات کے پروگرام میں سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ ذہن انسانی کے ارتقاء کے مستقیم میں یہ صلاحیت، کلیدی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ پھر انسانیت کی طبع کش اور فیض رسانی کے لئے نئی نئی چیزیں وجود پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ بلاشبہ ”فرقان“ (یعنی مراد مستقیم میں ارتقاء انسانی) اور اصل خداوند عالم کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں، جنہیں ”فرقان“ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دولت بے بہا صرف انہی لوگوں کے حصے میں

آتی ہے جو تو ان میں خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور اسی جذبے سے سرشار ہوتے ہوئے کائنات کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں۔

کیا چاند گرہن کا وقت ایک منحوس گھڑی ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چاند گرہن کا وقت ایک منحوس گھڑی ہے اور یہ انسانوں پر ایک کھنسن وقت ہوتا ہے لہذا اس وقت کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور کھانے پینے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنی چاہیے اور نوافل ادا کرنے چاہئیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ باتیں درست ہیں یا غلط۔ اگر نہیں تو اس وقت کو گزارنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ (انجیئر شہزاد ندیم۔ دہلی)

میرے محترم! گرہن یا گھن سورج کا ہو یا چاند کا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ نظام مسمیٰ کا مطالعہ جہاں ہمیں اس امر سے روشناس کراتا ہے کہ سورج یا چاند گرہن کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟ وہیں ہمیں اس حقیقت سے بھی متعارف کراتا ہے کہ سورج اور چاند ہر دو دراصل، قانون فطرت کے قاعدوں اور ضابطوں میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ اس سے سربمخلاف نہیں کر سکتے اور یوں گرہن ایک بڑی نشانی بن جاتا ہے آفتاب و مانتاب کے مجبور و مقبور ہونے کی، پھر یہ امر آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے کہ جو مجبور شخص ہو۔ وہ یقیناً خالق نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ گرہن ان ہر دو کے مخلوق ہونے کی زبردست دلیل ہے پس ظاہر ہے کہ جو حقوق ہو وہ ہرگز لائق پرستش نہیں۔ انہیں (یعنی گرہن میں) زبردست رتبہ انکا کہ جو شمس و قمر کی پوجا کرتے ہیں اور وہ گرہن کی یہ حکمت سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سورج اور چاند، بوقت گرہن بزبان حال پکار پکار کر عالم کائنات کو متنبہ کرتے ہیں کہ "اے ہماری پرستش کرنے والو! ہماری چال اور ہمارے حال کو اپنی اپنی قسمتوں پر مسدود شخص ساعتوں کے حوالے سے اثر انداز ہونے کا عقیدہ رکھنے والو! کیوں شرک میں مبتلا ہوتے ہو۔ ہم تو محض تمہاری طرح ایک مخلوق ہیں اور مخلوق کا کام اپنی عبادت کرنا نہیں بلکہ عبادت کرنا ہے۔" جیسا کہ سورہ رزقین میں ارشاد ہوا "الشمس والقمر بحسبان" (۵۵/۵) "ترجمہ۔ اور سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ (مخبر گردش) ہیں۔" نیز سورہ بقرہ کی ایک آیت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیفیت سے متعلق ایک سوال اور اس پر رسول پاک ﷺ کا جواب بھی اس ضمن میں ہمیں یوں حقیقت آشنا کرتا ہے۔ "يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس (البقرہ ۱۸۹)۔" ارج۔ ترجمہ۔

اور یہ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیں کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے لیے ان کے اوقات کی تعیین ہے۔ یعنی لوگوں اور قوموں کی قسمتوں کے بننے اور بگڑنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا اسکے منحوس ہونے کا تصور و عقیدہ، خواہ وہ (یعنی چاند) کسی حال میں ہو۔ ابتدائی تاریخوں میں ہوا انتہائی تاریخوں میں ایام گرہن میں ہو یا ایام بیض میں، بہر حال سراسر غیر اسلامی و غیر قرآنی تصور و عقیدہ ہے۔

اور اب اس گرہن سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ "سورج اور چاند، خدا کی نشانوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ نہ تو ان میں کسی کی موت سے گرہن ہوتا ہے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے۔ پس جب تم گرہن دیکھو تو خدا کو یاد کرو۔" (تحقیق علیہ)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا کرو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور خیرات کرو۔" (تحقیق علیہ) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قیامت کا سا خوف ان پر طاری ہو گیا، پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی، جب کا قیام، رکوع اور جہدہ استقر طویل تھا کہ میں نے کبھی اتنا طویل قیام، رکوع اور جہدہ نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ نشانیاں، جنکو اللہ بھیجتا ہے نہ تو کسی کی موت کے سبب سے ہوتی ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کا نتیجہ۔ لیکن اس ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم اس قسم کی نشانوں میں سے کچھ دیکھو تو خدا سے ڈرو اور خدا کا ذکر کرو۔ دعا مانگو اور مغفرت چاہو۔" (تحقیق علیہ) اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ سورج اور چاند اس وقت گرہن میں آتے ہیں جبکہ دنیا کے سرداروں میں سے کوئی بڑا سردار مر جاتا ہے۔ جان لو کہ سورج اور چاند نہ تو کسی کی موت سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش سے اور یہ دونوں بھی خدا کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں۔ خدا اپنی مخلوق میں جو چاہے تغیر کرے۔ پس ان میں سے جب کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھو۔ اس وقت تک جب تک کہ وہ روشن نہ ہو جائے یا خداوند تعالیٰ کوئی حکم ظاہر نہ فرمادے۔" (سنن نسائی)

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اب آپ کے سوال کا اجمالی جواب حاضر خدمت ہے۔ چاند گرہن کو منحوس سمجھنا سراسر غلط ہے۔ اس وقت کو گزارنے کا شرعی طریقہ اوپر احادیث میں مذکور ہوا، اس پر عمل کیا جائے۔